یورپ کے جنوب میں ابھرتا ہوا خطرہ

مسلم سجاد

یورپ متحد ہو رہا ہے' اور ایک عالمی طاقت بننے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یورپ کو متحد کرنے میں مرکزی کردار جرمنی اور فرانس مل کر ادا کر رہے ہیں' جو اس صدی کی دو عظیم جنگوں ہی میں نہیں' تاریخی طور پر بھی جانی دشمن رہے ہیں۔ یورپ کو عالمی کشمکش سے گہری دلچسپی ہے' اور وہ مستقبل کی نقشہ گری پر گہرے اثرات ڈالے گا۔ اس لحاظ سے احیاے اسلامی کی لہر اور مستقبل میں متوقع اسلام اور مغرب کی تہذیبوں کی کشمکش اس کے ایجنڈے پر بھی سرفہرست ہے۔

جرمنی' اپنی آبادی' وسائل' محل وقوع اور تاریخ کے لحاظ سے یورپ کا اہم ترین ملک ہے۔ وہاں کی حکمراں' کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی کے سہ ماہی رسالے "جرمن کومنٹ" (German Comment) شمارہ نمبر ۳۸' بابت اپریل ۹۵ میں کئی مضامین پروفیسر ہنٹنگٹن کے "تہذیبوں کی کشمکش" کے نظریے' اسلام کے "خطرہ" اور اس خطرے کے مقابلے میں حکمت عملی کے موضوع پر ہیں۔ اسلام کے بارے میں ان فکری اور اسٹرے ٹیجک سوچوں سے مسلمانوں کو ہرگز بے خبر نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے ان مضامین پر مبنی ایک مضمون پیش خدمت ہے۔ اس سے پہلے مارچ ۹۵ کے شمارے میں ہم جرمنی کے میڈیا اور سیاست میں اسلام کی بھیانک تصویر سازی کی مہم کا ایک جائزہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ (مدیر)

کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی کے ممتاز معمر راہ نما' الفرڈ ڈریگر (Alfred Dregger) نیوکلیر اسلحے میں اضافے کی روک تھام کے مقدمے کی پرزور وکالت کرتے نظر آتے ہیں' لیکن وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ حالیہ معاہدہ اس روک تھام میں ناکام رہا ہے' اور جب تک امریکہ اور روس جیسی نیوکلیر طاقتیں خود اپنے اسلحے سے دست بردار ہونے' اور تمام اسلحہ اور بم ساز تنصیبات اقوام متحدہ کے کنٹرول میں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گی' کوئی اقدامات کارگر نہ ہوں گے۔

اس کے برعکس معروف جرنلسٹ اور ٹی وی فلم ساز پیٹر اسکول لاتور (Scholl-Latour) کے نزدیک اب ایک یورپ کی متحدہ فوج (Euro corps) ناگزیر ہے' اور وہ اشارتاً اس پر بھی زور دیتے

ہیں کہ جرمنی کو فوجی مداخلت اور نیوکلیر اسلحے کے حصول سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔وہ اس مقصد کے لیے جرمنی اور فرانس کو تاریخی بداعتمادیوں کو ختم کر کے موثر اقدامات کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔کیوں: اس لیے کہ مغرب (الجیریا' تیونس اور مراکو) میں اسلامی انقلاب کے نتیجے میں' جو تقریباً یقینی ہے یورپ کو اپنے جنوب میں ایک بالکل نئے توازن طاقت سے سابقہ درپیش ہو گا۔اب شمالی افریقہ میں اسلامی بنیاد پرستی کے پھیلنے کی وجہ سے بحیرہ روم کے چاروں طرف ممالک پر مشتمل کسی عظیم متحد کیمونٹی کا سراب درہم برہم ہو گیا ہے۔فرانس کو اب سمجھ لینا چاہیے کہ فرانکو۔جرمن اتحاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ جرمنی کو بھی اب روس اور مغربی یورپ کے درمیان جھولتے رہنے کی روش کو ترک کر دینا چاہیے۔یورپ کو ایک مربوط' متحدہ فارن پالیسی کی شدید ضرورت ہے۔دو علاقے اس کی اسٹریٹیجک منصوبہ بندی کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن ثابت ہوں گے۔ان میں سے ایک سابقہ روسی سلطنت ہے' جو ایک سپر یوگوسلاویہ بنے گی اور جہاں ۲۰۰۰ء تک ایشیائی مسلمانوں کی تعداد روسیوں سے زیادہ ہو جائے گی۔ یورپین یونین کو بڑی گہرائی میں اتر کر ''تاریخ ساز'' دارالاسلام کے واقعات سے نبٹنا ہو گا۔اسرائیل و فلسطین کے درمیان امن کا ضرورت سے زیادہ ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔الجیریا میں بنیاد پرستی کا غلبہ --- جسے اب روکا نہیں جاسکتا۔کوہ اطلس سے لے کر ہندوکش پہاڑ تک کے علاقے میں ایک غلغلہ مچا دے گا۔مصر میں آج آزادانہ انتخابات ہو جائیں تو اسلامسٹ فتح عظیم سے ہمکنار ہوں گے۔ترکی آہستہ مگر یقیناً کمالزم سے اسلام کی طرف جارہا ہے' اور اگلے انتخابات میں عین ممکن ہے کہ رفاہ پارٹی سب سے بڑی سیاسی قوت بن کر سامنے آجائے۔

صورت حال کی تصویر کشی کے بعد لاتور کہتے ہیں: امریکہ خلیج کے تیل پر اپنا غلبہ اور اسرائیل کی سرپرستی جاری رکھنا چاہتا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اور روس دونوں ''بنیاد پرستی'' کو ''بدی کی مملکت'' (empire of evil) قرار دے کر' اس کے مقابلے کے لیے ایک دوسرے سے اشتراک کرنے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یورپ کو ''اسلام کے خلاف دونوں سابقہ سپرپاورز کے اتحاد'' میں شریک ہونے سے صاف صاف انکار کر دینا چاہیے۔اس کے برعکس یورپ کی پالیسی دو اجزا پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ایک' اسلام کو زیادہ سے زیادہ محدود' محصور اور عاجز کرو۔دوسرے' اس کے ساتھ مکالمہ کرو۔پھر وہ کہتے ہیں: یہ بہرحال ظاہر ہے کہ مسلمان دنیا میں انقلاب کے عمل کو روکنے کی کوشش یورپ کے بس سے باہر ہے۔اس ضمن میں لاتور بھی' مسلمان ممالک کے ہاتھوں میں نیوکلیر اسلحہ آنے کے خطرے کے حوالے سے' جرمنی کو ''دانش مندی'' کا مشورہ دیتے ہیں۔

لیکن سب سے طویل اور چشم کشا مقالہ ہرمن بوہل کا ہے ''یورپ کے جنوب سے چیلنج'' کے

عنوان سے وہ کہتے ہیں: جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل نے گذشتہ سال توجہ دلائی تھی کہ بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر کاسابلانکا سے شام تک جو چیلنج ابھر رہا ہے' یورپ کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ مراکش سے وسط ایشیا تک مسلم ممالک ایک "کمان نما خنجر" بناتے ہیں۔ یہاں بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے سے تباہی کے ہتھیار ان کے قابو میں آ جائیں گے۔

حیرت ہے کہ جرمنی میں نئے ورلڈ آرڈر پر گفتگو میں صرف مشرق (روس) سے خطرے کا ذکر ہوتا ہے حالاں کہ جنوبی ساحل کے ممالک میں بنیاد پرست تحریک تقویت پکڑتی جا رہی ہے۔ یہ مغرب کے چرچ اور ریاست کے علیحدگی کے نظریے کو مسترد کرتی ہے۔ ان ممالک میں غربت ہے' محرومی ہے' نوجوان بے روزگار ہیں' آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے' سیاسی عدم استحکام سے بحران در بحران کا سلسلہ رہتا ہے۔ [اہل مغرب کی نگاہوں میں تو زندگی کا ہر پہلو صرف "معاشی عوامل" کا نتیجہ ہوتا ہے۔ احیائے اسلامی بھی۔ م س] الجیریا کی مثال سامنے ہے۔ اگر شمالی افریقہ میں آگ لگ گئی تو یہ یورپ کے ہر حصے میں پہنچے گی۔ فرانس' اسپین' اٹلی سب نقصان اٹھائیں گے۔ جرمنی' بلجیم یا ڈنمارک پر لوگ رک نہ جائیں گے۔ اس کے مضمرات بہت دور تک جائیں گے۔ اہل یورپ کے لیے یہ ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ اگر ہم سرحدوں پر پابندیاں لگائیں تو متحدہ یورپ کا خواب بکھر جائے گا۔ اگر میجینو (Maginot) دیوار تعمیر کر کے مسلمانوں کی آمد کو روک دیا جائے تو یہ بھی کوئی دانش مندی کی بات نہ ہوگی۔ اقتصادی نقطہ نظر سے ہمیں ان ممالک کی مارکیٹ کی ضرورت ہے۔

احیائے اسلام کے مسئلے پر پورے یورپ کو مل جل کر سوچنا چاہیے' اور مشترکہ حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔ جرمنی اور فرانس کو خصوصی فکر کرنا چاہیے۔ فرانس میں بھی لاکھوں مسلمان ہیں۔ اگر جہاز اغوا کر کے پیرس میں لایا جاتا ہے' تو جرمنی کو اسے اپنا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔ اگر فرانس کو شکایت ہو کہ الجیریا کے اسلامی فرنٹ والوں کو جرمنی میں پناہ مل رہی ہے تو اسے ایک جائز شکایت سمجھنا چاہیے۔ یہ مسئلہ کسی ایک ملک کا انفرادی مسئلہ نہیں ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اسٹرے ٹیجک اسٹڈیز کے ۱۹۹۲ کے سالانہ اجلاس میں یورپ کی سلامتی میں اسلامی عنصر (Islamic factor) پر' عنوان تبدیل کر کے "یورپ کی سلامتی اور جنوب کے ہمسایے" کے عنوان سے (تاکہ یہ تاثر نہ ابھرے کہ ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان تشدد اور تباہی کے ذریعے دنیا میں' خصوصاً یورپ میں' اسلام پھیلانا چاہتے ہیں!) غور کیا گیا۔ غور و فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ ترجیح گفت و شنید کو دی جائے' اقتصادی امداد فراہم کی جائے تاکہ شمالی افریقہ کے اور شرق اوسط کے ممالک میں خوشحالی عام ہو۔ سیاسی بے اطمینانی سے انقلابی اسلام کے علم بردار فائدہ اٹھاتے ہیں'

معتدل مسلمانوں کی مدد ہمارا فرض ہے۔

یورپ اور جنوب کے یہ ممالک پرانے ہمسائے ہیں اور بہت سے مشترک امور رکھتے ہیں۔ اگر ہمارے ہاں جمہوریت ہے تو ان کے ہاں رواداری ہے۔ لا اکراہ فی الدین: خود قرآن نے فساد کی مذمت کی ہے (۲:۱۸۶)۔ دہشت گردی اور اسلام ایک چیز نہیں ہیں۔ دونوں طرف وہ لوگ موجود ہیں جو تباہی نہیں چاہتے' تصادم کے بجائے مکالمہ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ خود جاکر' اور انھیں بلا کر' انقلابی اسلام والوں سے بھی گفت و شنید کرنا چاہیے۔

اصل مسئلہ غربت کا ہے۔ ۲۰۲۵ تک ان ممالک کی آبادی ۴ کروڑ ہو جائے گی۔ ۷۰ فی صد نوجوان بے روزگار ہیں۔ حکومتیں ناکام ہو چکی ہیں' جب کہ اسلامی تحریکیں غذا' رہایش ' تعلیم اور تربیت کے انتظامات کرتی ہیں۔ اسلام کی طرف دراصل نیچے کے طبقات میں رجوع ہو رہا ہے [حالانکہ زیادہ تر بنیاد پرست اعلیٰ تعلیم یافتہ' خوش حال ہیں۔ م س] یورپی ممالک مارشل پلان کے طرز پر ان ممالک میں ترقی اور خوش حالی پہنچائیں۔ جرمنی اور فرانس آگے بڑھ کر راستہ دکھائیں۔ امریکہ سے بھی مدد طلب کریں۔ ہمیں ایک ایک پیسہ کفایت شعاری سے خرچ کرنا چاہیے تاکہ جنوب کے لیے بچا سکیں۔ یورپ کے مالدار لوگوں کو مسئلہ کی سنگینی کو محسوس کرنا چاہیے۔ جرمنی کے سابق چانسلر اڈینار کا کہنا تھا کہ داخلی پالیسیاں ہماری روز مرہ زندگی متعین کرتی ہیں لیکن خارجہ اور سلامتی کی پالیسی ہماری بقا (survival) سے متعلق ہوتی ہے۔ ہمیں بجٹ بناتے ہوئے اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

اسلام کے ساتھ مکالمے کے لیے بہت سے میدان ہیں۔ ہمیں مکالمے کا آغاز سیاسی نظام پر لیکچر سے نہ کرنا چاہیے' ایک دوسرے کو سمجھنے کے نقطہ نظر سے بات چیت کرنا چاہیے۔ روم اور تیونس میں باری باری گذشتہ ۱۵ سال سے ویٹیکن اور اسلام کے نمائندے جمع ہو کر ڈائیلاگ کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اور جگہ بھی ہونا چاہیے۔ دونوں تہذیبوں کے تاریخی اور سائنسی مشترک سرمایے کے بارے میں پروفیسرورنر کی کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ ایک خدا کی عبادت عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی بنیادی عقیدہ ہے۔ قرآنِ نے خود کہا ہے کہ "تم اپنے دین پر اور میں اپنے دین پر"۔ (کافرون ۱۰۹: ۶)

کچھ مسائل اختلافی بھی ہیں۔ خواتین کے بارے میں مراد ہافمین نے' جو جرمنی کے مسلمان سفارت کار ہیں' لکھا ہے: "۱۴سو سال سے مسلمان عورت کو وہ قانونی حیثیت حاصل ہے جو مغرب کی عورت نے جدوجہد کر کے حال ہی میں حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر مسلمان عورتوں کے جائداد کے حق میں شادی سے کوئی فرق نہیں پڑتا' مسلمان شوہر بیوی کے اثاثوں پر کوئی حق حاصل نہیں کرتا۔ جرمنی میں حال ہی میں اثاثوں کی علیحدگی کا جو قانون بنایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں ساتویں صدی

عیسوی سے رائج ہے۔ مغرب کی حقوق نسواں کی علم بردار صدی کے آغاز پر یہ باب مسلمانوں سے لے سکتی تھیں"۔

بہرحال مکالمہ آسان نہیں ہے جیسا کہ فرانس میں سکارف کے مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک نکتہ سیاست اور مذہب کا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ شعوری طور پر مذہب کو سیاست میں لائے' جبکہ مغرب میں' خصوصاً فرانس میں' ان کی علیحدگی مسلمہ اصول ہے۔ مکالمہ دونوں نقطہ ہائے نظر کو ایک کرنے کے بجائے' ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے پر ہونا چاہیے۔

اسکینڈی نیویا کو بھی ملایا جائے تو اس وقت یورپ میں ایک کروڑ مسلمان ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہی ہمارا تحفظ بھی ہے کہ اسلامی قائدین ان شہروں پر نیوکلیر یا کیمیائی' حیاتیاتی بم اس لیے نہیں پھینکیں گے کہ ان کے ہم مذہب بھائی بہن بھی ہلاک نہ ہو جائیں۔ لیکن ہم اس پر انحصار نہیں کر سکتے۔ امریکہ' جرمنی' فرانس خلائی بمباروں کی مدد سے ۹۹-۱۹۹۸ تک میزائل سے دفاع کا ایسا نظام بنا رہے ہیں کہ حملے کی صورت میں بچاؤ ہو سکے۔ لیکن یہ صرف سانس لینے کا وقفہ ہے۔ اصل حل تو یہی ہے کہ مکالمہ ہو اور تصادم کے بغیر زندگی گزاری جائے۔

ہمیں یورپ میں موجود مسلمانوں کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر کرنا چاہیے۔ اقتصادی امداد پہلے اپنے گھر میں دی جائے۔ ایک کروڑ مسلمانوں کو ان کے کونے کھدروں (ghettos) سے نکالا جائے' معاشرے کا حصہ بنایا جائے' اور مناسب حالات فراہم کیے جائیں ورنہ وہ ففتھ کالم بن جائیں گے۔ دوسری طرف ان کے ممالک میں بھی ایسے حالات ہوں کہ انھیں وہیں کام ملے اور وہ یورپ نہ آئیں۔ معیشت مستحکم اور معاشرہ خوش حال ہو۔ اس طرح اسلامی بنیاد پرستی کا دلدل دونوں جانب سے خشک کر دیا جائے۔ دوستی اور بقائے باہمی بھی ہو جائے گی' مغرب کے مفادات بھی محفوظ رہیں گے۔ ہاں معاشی استحصال اور ثقافتی یلغار کو ختم کرنا ہو گا۔

بوہل کا تجزیہ ہمدردانہ ہے' معقول ہے' لیکن بدقسمتی سے اہل مغرب احیائے اسلام کے بنیادی محرکات کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا انکاری ہیں۔ مسلمان تو اپنے معاشروں میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مغرب "جیو' اور جینے دو" کی پالیسی اختیار کرے' تو تصادم برائے نام رہ جائے گا۔